عبدالرؤف خاں ادوئی کلاں (راج) ۳۲۲۲۲۰ (قسط نمبر ۵)

قطعات تاریخِ وفاتِ شعراء

شاد: سید محمد علی نام اور شادؔ تخلص تھا اور خان بہادر خطاب۔ محرم ۱۲۶۲ھ مطابق جنوری ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد یعنی پٹنہ میں اپنے ناںیہال میں پیدا ہوئے۔ یہ آفتابِ سخن مشرق ہی میں طلوع ہوا اور ساٹھ سال سے زیادہ دنیائے اردو پر ضوفشاں رہ کر ۸ر جنوری ۱۹۲۷ء۔ ۴ر رجب ۱۳۴۵ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں مشرق ہی کے افق میں غروب ہو گیا۔ مرتے وقت اپنا یہ شعر زبان پر تھا؂

آخر ہے عمر، ضیق میں ہے دم بھی جان بھی
مردانہ باش! ختم ہے یہ امتحان بھی

رحلت سے دو دن پیشتر اپنا قطعہ تاریخ ابجدی حروف میں خود ہی تحریر کیا:

مرد اینک علی محمد شادؔ | بر دل من نشست میل عظیم
سال فوتش بگو بحرف ہجا | غین باشین و حرف بابا میم (۱)

۱۳۴۵ھ

دیگر شعرا کے بھی بہت سے قطعاتِ وفات شائع ہوئے۔ مثلاً پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی کا قطعہ ملاحظہ ہو:

تھے حریف چشم و گوش، اک قلم رفیق تھا | یادماغ تھا، اگر تھا کسی پہ اعتماد
پیر کس مپرس وزار، نور چشم ہیچ کار | رنج جور روزگار، پھر مرض کا اشتداد

دل نے دی تسلی یوں موت کا بتا کے سن
"چھوٹ قید عمر سے شادؔ جا بسا وطن" (۲)

۱۳۴۵ھ

(۱و۲) شاد کی کہانی شاد کی زبانی، مرتبہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی ص ۲۷۵ و ۲۷۸۔ ۲۷۷، مطبوعہ ۱۹۶۱ء مطبع معارف اعظم گڑھ۔

شفق رضوی کے تین قطعات میں سے صرف یہاں ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے:

شاد کے اٹھ کے جانے سے افسوس ہے　　ہو گئی بزم غزلخوانی اداس
ہے کہاں ایسا کوئی شیوا بیاں　　جانشینی ان کی جس پر آئے راس
سال تاریخ ان کی رحلت کا شفق
میں نے لکھا "شاد تھے جوہر شناس"(۱)

۱۳۴۵ھ

مائل دہلوی: مرزا محمد تقی بیگ مائل کی ولادت ۱۸۵۲ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ ۱۸۷۹ء میں جے پور چلے آئے اور ۱۸۸۰ء میں ملازم ہو گئے۔ پنشن کے بعد سانبھر رہنے لگے تھے۔ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ۔ ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء یوم جمعہ کو جے پور خزانہ میں پنشن لینے گئے واپس ہوئے تو راستہ میں طبیعت خراب ہو گئی اور جے پور گھر پہونچ کر طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مرزا احمد شاہ بیگ جوہر مراد آبادی نے کئی قطعات وفات کہے دو قطعات پیش ہیں:

رفت مائل چو جے پور برائے پنشن　　کرد مسدود ہوا دار قضا حرکت دل
مرگ حق است مگر مرگ غریب الوطنی　　میکند فاتحہ خوانی بعزیزاں مشکل
از پئے مرگ مفاجات نوشتم جوہر
"مائل جام مئے کوثر دیں شد مائل(۲)"

(۱۳۵۰ھ)

ایک قطعہ اردو زبان میں ملاحظہ ہو:۔

سن کے ہو جاتے تھے سب مسحور مائل کا کلام　　شعر گوئی شعر خوانی تھی کہ سحر سامری
ساتھ ہی مغفور کے لطف زباں دانی گیا　　اٹھ گئی شیریں کلامی رہ گئی نوحہ گری
شہر دہلی رہ گیا جوہر تن بے جان و نور
"ہو گئی گل شمع روح بزم شعر و شاعری(۳)"

(۱۹۳۱ء)

---

(۱) گنجینۂ تواریخ ص ۳۲ (۲ و ۳) پندرہ روزہ "شاعر" آگرہ، ۱۵ جنوری ۱۹۳۲ء ص ۵

دلگیر: سید نظام الدین شاہ صاحب دلگیر اکبر آبادی کی وفات ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ قادری صاحب نے تیرہ قطعات کہے۔ ان میں سے دو یہاں لکھے جاتے ہیں جو دو صنائع پر مشتمل ہیں:

تاریک بے دلگیر ہے اب محفل مہر و وفا　　خالی ہے اب دلگیر سے شعر و سخن کا میکدا
صحت میں عیش ایسے کئے دنیا بھی حیراں ہوگئی　　پھر رنج بیماری سہا تقدیر میں جو تھا بدا
جز صبر کچھ چارہ نہیں حامدؔ غمِ دلگیر میں　　ہونا ہے دنیا میں یہی انجام ہر شاہ و گدا
تھی آرزو تاریخ میں تقلید مومنؔ خاں کی ہو　　جب دیر تک کی جستجو، ہاتف سے آئی یہ صدا

سب بے سروپا ہوگئے دلگیر سے جانے کے بعد
"لطف و کرم، شعر و سخن، عشق و وفا، وصل و ادا"
(۱۳۵۳ھ سیلیکشنز..... قادری ص ۷۹)

چوتھے شعر میں مومنؔ کی اس تاریخ کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؔ کی وفات پر کہی تھی، جس کا مادہ ہے:

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے　　"فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل"
(۱۳۳۹ھ)

قادری صاحب کی دوسری تاریخ کا صرف مادہ لکھا جاتا ہے جو فارسی میں ہے:۔

دلم بگفت کہ بیدل ز مرگ او گشتند　　"وفا و ناز و کرم، ذوق و شوق و شعر و سخن"
۱۹۳۴ء

پہلا قطعہ صنعت بے سروپا میں ہے جب کہ دوسرے قطعے میں درمیانی حروف ساقط کئے ہیں۔ علامہ راشد الخیری کی وفات کا تاریخی شعر ایک تیسری صفت میں ہے، جس میں تخرجہ کے لئے عدد کو برتا ہے:۔

اگر وہ اور بھی دو سال جی گئے ہوتے
تو ہوتی نام سے تاریخ "راشد الخیری"
(۱۳۵۶-۱۳۵۴ھ) (قادری انگریزی حصہ ص ۸۰)

علامہ سر محمد اقبال: علامہ اقبال ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں راہی فردوس بریں ہوئے۔ علامہ سیماب اکبر آبادی نے تاریخ کہی:

نوزدہ ماہ صفر وقت صباح		روح اقبال از غم لاحق گزشت
عارف حق ، قائد ملت نماند		مرد مومن بندۂ صادق گزشت
راز دار سوز وساز انجمن		صورت پروانہ ناطق گزشت

کرد چوں سیماب فکر سال مرگ
گفت ہاتف "شاعر مشرق گزشت[1]"

(۱۹۳۸ء)

یہ تاریخ "شاعر" بمبئی ۱۹۷۸ء میں دوبارہ شائع ہوئی تھی، مگر ستم یہ کہ مادہ یوں چھپ گیا:۔

"شاعر مشرق گذشت"

مولانا پروفیسر ڈاکٹر حامد حسن قادری مرحوم نے وفات اقبال پر بہت سے قطعات لکھے جو طویل مبسوط بھی ہیں، ان میں سے صرف دو تین قطعات لکھے جاتے ہیں:

برفت اقبال ہندوشرق واسلام		شکوہ رفتہ باز آید کہ ناید
زشعرش ساخت حامد سال رحلت		بشان امتیاز آید کہ ناید

"برفت اقبال آں عرفاں نوائے"		۱۳۳۵+
دگر دانائے راز آید کہ ناید[2]"		۶۰۳=۱۹۳۸ء

اس "ترجمان حقیقت فیلسوف عصر" (۱۹۳۸ء) کے سانحہ ارتحال پر قادری صاحب نے دوسرا قطعہ صنعت ترصیع میں لکھا، جس میں کل آٹھ شعر ہیں۔ یہاں صرف دو شعر پیش ہیں پہلا اور آخری:

---

(۱) ماہنامہ شاعر بمبئی ۱۹۷۸ء جلد ۴۹ شمارہ ۱۲ (۲) سلیکشنز آف پروفیسر قادری ز۔ کرونوگرامز مرتبہ ڈاکٹر خالد حسن قادری (لندن) ص ۸۴۔ ۸۳ ناشر قادری اکادمی، گلشن اقبال، کراچی ۱۹۸۸ء

"رفت اقبال آفتاب جہاں"　　(۱۳۵۷ھ)

"رفت اقبال و ثبت بدر آیات"　　(۱۹۳۸ء)

"تربت پاک محفل قدسی"　　(۱۳۵۷ھ)

"روح پر نور و مہبط برکات"[1]　　(۱۳۵۷ھ)

علامہ اقبال نے وفات سے قبل یہ شعر پڑھا تھا:

نشان مرد مومن با تو گویم　　چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

قادری صاحب نے دوسرے مصرع میں معمولی ترمیم کرتے ہوئے تاریخ بر آمد کی:

"بر لبش آید بدم مرگ تبسم[2]"

۱۳۵۷ھ

ڈاکٹر قادری مرحوم نے "بہ تقلید معانی اسرار خودی اقبال" (۱۹۳۸ء) ایک تاریخی "مثنوی صلاے خودی" (۱۳۵۷ھ) لکھی اس کے آخری تین شعر ملاحظہ ہوں جو دعائیہ ہیں:

بادِ رحمت ہائے حق بر تربتش　　آمد "المغفور" سال رحلتش

(۱۳۵۷ھ)

ہم ز روے داد در وحی کریم　　گفت ہاتف "عندہ اجر عظیم" (۱۳۵۷ھ)

سال دیگر ہم ز قرآن مبین

گفت حامد لذۃ للشربین[3]"

(۱۳۵۷ھ)

احسن: مولانا الحاج سید علی احسن احسن مارہروی کا شمار داغ کے چہیتے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ پروفیسر حامد حسن قادری صاحب نے کئی تاریخیں کہیں، ان میں سے ایک یہاں پیش ہے، جس سے ان کی شخصیت کے گوشے بھی نمایاں ہوتے ہیں:

راہی جنت ہوئے احسن مارہروی　　ہوگئی رونق بڑی انجمن خلد میں

(۱، ۲ و ۳) ایضاً ص ۸۵، ۸۶ نیز ۹۳۔

حافظ و حاجی بھی تھے، عالم و صوفی بھی تھے	ہوتے نہ کیوں آپ بھی انجمن خلد میں
شاعر و نقاد تھے، فاضل و استاد تھے	اب نہ رہی کچھ کمی انجمن خلد میں
تعمیر سے بن گیا سال، جو شامل ہوئے
"احسن مارہروی انجمن خلد" میں(۱)

۱۳۵۹ھ

مادہ جمع کے طریقے سے حاصل کیا ہے یعنی "احسن مارہروی + انجمن خلد"۔

فانی: شوکت علی خان نام اور فانی تخلص تھا۔ پیدائش اسلام نگر ضلع بدایوں میں ہوئی۔ افغانی الاصل قبیلہ سے تھے۔ یوپی میں کئی مقامات پر وکالت کی اور آخر میں حیدر آباد جحستہ بنیاد میں جاکر نواب کے یہاں ملازم ہوگئے۔ ۱۳۶۰ھ میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ اردو شاعری کے ستون۔ شاعری میں امام یاسیات کہے جاتے ہیں۔ انتقال سے ایک سال پہلے اپنی تاریخ وفات خود کہی جو یچ نکلی:

اوا زجہاں گشت گذشت آخر خدا نبود	اوایں چنیں بہ زیست کہ گویا خدا نداشت
طغیان نازبیں کہ بہ لوح مزار او
ثبت ست سال رحلت فانی "خدا نداشت"(۲)

۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء)

قمر: جناب قمر الحسن صاحب قمر بدایونی ۱۸۷۵ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ فانی کے ہم عصر تھے۔ اتفاق سے رحلت بھی اسی سنہ میں ہوئی، جس سال فانی کا انتقال ہوا۔ یعنی ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء پروفیسر قادری صاحب نے قطعہ کہا:۔

کچھ مرگ قمر، مرگ قمر ہی نہیں تنہا	یہ موت کرم، فوت ادب، مرگ ہنر ہے
محبوب و عزیز اور بدایوں پہ نہیں حصر	خود شعر و سخن نوحہ گر و خاک بسر ہے
مٹنے کا نہیں داغ کبھی مرگ قمر کا	تاریخ بھی ہے واقعہ بھی، "داغ قمر"(۳) ہے

۱۳۶۰ھ

(۱) سلیکشنز آف پروفیسر قادری ز۔ کرونو گرامز ص ۱۱۴۔ (۲) تاریخ گویان بدایوں ص ۹۸۔ (۳) سلیکشنز آف پروفیسر قادری ز۔ کرونو گرامز (اردو حصہ) ص ۶۲

مرزا عظیم بیگ چغتائی:۔ بی اے۔ ایل ایل بی وکیل جودھپور و سابق جج جاورہ متوفی ۱۳۶۰ھ۔
قطعہ تاریخ از پروفیسر قادری:۔

شاگرد بھی رشید تھے وہ، دوست بھی عزیز　　کس دل سے میں کہوں کہ عظیم آہ کیا ہوئے
ہر دل عزیز ادیب، مصنف، وکیل، جج　　کیا کیا ذرا سی عمر میں نام خدا ہوئے
اردو کے ناز، ہند کے ناز، آگرے کے ناز　　مرزا کی ذات پر جو ہوئے تو بجا ہوئے
سچ یہ ہے زندگی کا تو حق ان پہ رہ گیا　　گو یہ بھی سچ ہے، موت کے حق سے ادا ہوئے
تاریخ کا بھی حق ہو دل زار سے ادا　　یعنی "عظیم" داخل "دارالبقا" ہوئے (۱)

۱ + ۱۰۲۰ + ۳۳۹ = ۱۳۶۰ھ

فوقؔ: منشی محمد دین فوقؔ۔ داغ کے تلامذہ میں سے تھے۔ فوقؔ صاحب نے کشمیر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اس لئے انہیں مجدد کشامرہ کہتے ہیں۔ لاہور میں اس صدی کے اوائل میں مشاعروں کا بڑا رواج تھا۔ ایک دفعہ کسی نے مصرع طرح دیا:

فوقؔ صاحب گلی میں رہتے ہیں

چنانچہ شعرا نے اس پر طبع آزمائی شروع کر دی اور گلی میں رہتے ہیں، تیری چمپا کلی میں رہتے ہیں، جیسے مصرعے ہوگئے، علامہ سیمابؔ اکبرالہ آبادی نے قطعہ وفات کہا:

کرد رحلت محمد دین فوقؔ　　بود شاگرد داغؔ پاک ضمیر
شاعر و نکتہ داں، مدیر و ادیب　　خوش بیاں، خوش مزاج، خوش تحریر
چاردہ از مہ ستمبر بود　　روز جمعہ بسوئے ملک کبیر

(۱۴ر ستمبر روز جمعہ)

گفت تاریخ رحلتش سیمابؔ
"انتزاع مورخ کشمیر" (۲)

۱۹۴۵ء

یعنی سیمابؔ نے اس کی رحلت کی یہ تاریخ کہی کہ (موت مورخ کو اکھاڑ لے گئی۔)

(۱) حوالہ سابق ص ۶۴ (۲) ماہنامہ معارف اعظم گڈھ اگست ۱۹۸۲ء ص ۲۶۔ ۱۲۵

فرحت اللہ بیگ:۔ فرحت اللہ بیگ صاحب ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں راہی آخرت ہوئے۔ مسعود علی صاحب محوی نے قطعہ تاریخ کہا:ء۔

تھے فرحت بڑے پہلوان سخن زبان معانی تھے جان سخن

جو اٹھ گئے اٹھ گئی ان کے ساتھ بہار زباں عز و شان سخن

"عنادل خزاں آگئی باغ میں"

۱۹۴۷ء

"گیا بلبل گلستان سخن"(۱)

۱۳۶۶ھ

ناطق لکھنوی:۔ حکیم سید ابوالعلا سعید احمد ناطق لکھنوی ۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ کو چاٹگام میں راہی فردوس بریں ہوئے۔ مولانا وحشت کلکتوی نے قطعہ تاریخ کہا جو نہایت برمحل ہے:۔

ناطق لکھنوی ہوئے بزم جہاں سے منتقل شاعر نکتہ سنج کی آج ہوئی زباں خموش

سال وفات کی جو فکر وحشت خستہ دل نے کی ہاتف غیب سے سنا "ناطق رازداں خموش"(۲)

۱۳۶۹ھ

سائل دہلوی:۔ سائل کی رحلت کا قطعہ وفات (۱۳۶۴ھ) کا ترتیب سنین کے لحاظ سے ناطق و فرحت اللہ سے پہلے آنا چاہئے تھا۔ لیکن سہواً بعد میں درج کیا جارہا ہے۔ جے پور کی بزم احباب نے ۲۴/فروری ۱۹۴۲ء کو یوم سائل منایا تھا۔ اس کے سکریٹری مصباح الدین عثمانی نے پروفیسر قادری کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔ مشاعرہ کی طرح یہ رکھی گئی تھی: "جناب داغ کے داماد ہیں اور دلّی والے ہیں" واضح ہو کہ سائل صاحب داغ کے بھتیجے اور داماد تھے۔ قادری صاحب جلسے میں تو شریک نہ ہو سکے مگر دعوت نامہ ملتے ہی اس کی پشت پر درج ذیل قطعہ تاریخ لکھ کر مصباح صاحب کو بذریعہ ڈاک بھیج دیا:۔

حضرت سائل کا ماتم ہورہا ہے بزم میں ہم یہاں غم گین ہیں، وہ خلد بریں میں شاد ہیں

دھوم تھی سائل کی اک دلی میں کیا کل ہند میں ان کا پڑھنا یاد ہے، پڑھنے کے تیور یاد ہیں

(۱) نقوش (لاہور) شخصیات نمبر ص ۱۱۶۷ (۲) قادری ص ۱۷۴۳۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی: ۔بی اے۔ ایل ایل بی وکیل جودھپور و سابق جج جاورہ متوفی ۱۳۶۰ھ۔
قطعہ تاریخ از پروفیسر قادری:۔

شاگرد بھی رشید تھے وہ، دوست بھی عزیز		کس دل سے میں کہوں کہ عظیم آہ کیا ہوئے
ہر دل عزیز ادیب، مصنف، وکیل، جج		کیا کیا ذرا سی عمر میں نام خدا ہوئے
اردو کے ناز، ہند کے ناز، آگرے کے ناز		مرزا کی ذات پر جو ہوئے تو بجا ہوئے
سچ یہ ہے زندگی کا تو حق ان پہ رہ گیا		گو یہ بھی سچ ہے، موت کے حق سے ادا ہوئے
تاریخ کا بھی حق ہو دل زار سے ادا		یعنی "عظیم" داخل "دارالبقا" ہوئے (۱)

۱		۱۰۲۰		۳۳۹
=۱۳۶۰ھ

فوق: منشی محمد دین فوق۔ داغ کے تلامذہ میں سے تھے۔ فوق صاحب نے کشمیر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اس لئے انہیں مجدد کشامرہ کہتے ہیں۔ لاہور میں اس صدی کے اوائل میں مشاعروں کا بڑا رواج تھا۔ ایک دفعہ کسی نے مصرع طرح دیا:

فوق صاحب گلی میں رہتے ہیں

چنانچہ شعرا نے اس پر طبع آزمائی شروع کردی اور گلی میں رہتے ہیں، تیری چمپا گلی میں رہتے ہیں، جیسے مصرعے ہوگئے، علامہ سیماب اکبرآبادی نے قطعہ وفات کہا:

کرد رحلت محمد دین فوق		بود شاگرد داغ پاک ضمیر
شاعر و نکتہ داں، مدیر و ادیب		خوش بیاں، خوش مزاج، خوش تحریر
چاردہ از مہ ستمبر بود		روز جمعہ بسوئے ملک کبیر

(۱۴ر ستمبر روز جمعہ)

گفت تاریخ رحلتش سیماب
"انتزاع مورخ کشمیر" (۲)

۱۹۴۵ء

یعنی سیماب نے اس کی رحلت کی یہ تاریخ کہی کہ (موت مورخ کو اکھاڑ لے گئی)

(۱) حوالہ سابق ص ۶۴ (۲) ماہنامہ معارف اعظم گڈھ اگست ۱۹۸۲ء ص ۲۶۔ ۱۲۵

فرحت اللہ بیگ:۔ فرحت اللہ بیگ صاحب ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں راہی آخرت ہوئے۔ مسعود علی صاحب محوی نے قطعہ تاریخ کہا:۔

تھے فرحت بڑے پہلوان سخن　　　زبان معانی تھے جان سخن
جو اٹھ گئے اٹھ گئی ان کے ساتھ　　　بہار زباں عز و شان سخن

"عنادل خزاں آ گئی باغ میں"
۱۹۴۷ء
"گیا بلبل گلستان سخن"(۱)
۱۳۶۶ھ

ناطق لکھنوی:۔ حکیم سید ابوالعلا سعید احمد ناطق لکھنوی ۹ر اکتوبر ۱۹۵۰ء / ۱۳۶۹ھ کو چاٹگام میں راہی فردوس بریں ہوئے۔ مولانا وحشت کلکتوی نے قطعہ تاریخ کہا جو نہایت بر محل ہے:۔

ناطق لکھنوی ہوئے بزم جہاں سے منتقل　　　شاعر نکتہ سنج کی آج ہوئی زباں خموش
سال وفات کی جو فکر وحشت خستہ دل نے کی　　　ہاتف غیب سے سنا "ناطق راز داں خموش"(۲)

۱۳۶۹ھ

سائل دہلوی:۔ سائل کی رحلت کا قطعہ وفات (۱۳۶۴ھ) کا ترتیب سنین کے لحاظ سے ناطق و فرحت اللہ سے پہلے آنا چاہئے تھا۔ لیکن سہواً بعد میں درج کیا جا رہا ہے۔ جے پور کی بزم احباب نے ۲۴ر فروری ۱۹۴۲ء کو یوم سائل منایا تھا۔ اس کے سکریٹری مصباح الدین عثمانی نے پروفیسر قادری کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔ مشاعرہ کی طرح یہ رکھی گئی تھی: "جناب داغ کے داماد ہیں اور دلی والے ہیں" واضح ہو کہ سائل صاحب داغ کے بھتیجے اور داماد تھے۔ قادری صاحب جلسے میں تو شریک نہ ہو سکے مگر دعوت نامہ ملتے ہی اس کی پشت پر درج ذیل قطعہ تاریخ لکھ کر مصباح صاحب کو بذریعہ ڈاک بھیج دیا:۔

حضرت سائل کا ماتم ہو رہا ہے بزم میں　　　ہم یہاں غم گین ہیں، وہ خلد بریں میں شاد ہیں
دھوم تھی سائل کی اک دلی میں کیا کل ہند میں　　　ان کا پڑھنا یاد ہے، پڑھنے کے تیور یاد ہیں

(۱) نقوش (لاہور) شخصیات نمبر ص ۱۱۶۷ (۲) قادری ص ۱۴۳۔

قدر دان رنگ دہلی، سب ہیں ان کے قدرداں ان کے قائل ہیں جو طرز داغ کے نقاد ہیں
داغ کے ہمرنگ، ہمدم، ہمزباں، ہم خانداں ہیں جہاں استاد کے شاگرد، خود استاد ہیں
یہ نکلتا ہے دل مصباح سے سال وفات
"دلی والے ہیں جناب داغ کے داماد ہیں"(۲)
(۱۳۶۴ھ)

سیماب:۔ علامہ سیماب اکبر آبادی کی رحلت ۱۹۵۱ء پر قادری صاحب نے تین قطعات تاریخ کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ایک قطعہ یہ ہے:۔

دے گیا داغ جدائی آخر وہ معظم وہ مکرم سیماب
فخر علم وادب استادزباں فن کے اسرار کا محرم سیماب
وہ مصنف وہ سخنور وہ مدیر بانی شاعر وپرچم سیماب
صاحب وحی کے اب قرب میں ہے چھوڑ کر وحی مترجم سیماب
قادری لکھ دو یہ تاریخ وفات
"زہا شاعر اعظم سیماب"(۳) ۱۹۵۱ء

حسرت کاشمیری:۔ مولانا چراغ حسن حسرت کاشمیری مشہور ادیب و مزاح نگار اور شاعر تھے۔ ان کی وفات ۵ ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ / ۲۶، جون ۱۹۵۵ء کو ہوئی۔ حفیظ ہوشیار پوری نے قطعہ تاریخ کہا:۔

آج حسرت داغ حسرت دے کے رخصت ہو گیا دل میں اب روشن رہے گا رخصت حسرت کا داغ
بجھ گئی بزم صحافت میں صف ماتم حفیظ
"گل ہوا ہے آج اک بزم صحافت کا چراغ"(۴)
۱۹۵۵ء

شاغل: دیوان سید شاہ محمد عطاء الحق شاغل فریدی ۲۸ / صفر ۱۳۷۵ھ ۱۶ / اکتوبر ۱۹۵۵ء بروز ہفتہ راہی ملک عدم ہوئے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پانچ سال قبل ایک رباعی کہی تھی۔ اتفاق

(۳) قادری ص ۱۷۰-۱۷۳۔ (۴) ماہنامہ معارف اعظم گڈھ اگست ۱۹۸۲ء ص ۱۲۲۔

دیکھئے کہ اسی رباعی کے آخری مصرعے کے تین الفاظ ان کی وفات کا مادہ ثابت ہوئے جو بالکل تاریخی رباعی کے اصول پہ ہے۔ خدا معلوم یہ رباعی کس قبولیت کی ساعت میں لکھی گئی تھی:۔

لائی ہے نوید آج اے شاغل اب جامۂ ہستی کو بدل اے شاغل
رضواں نے سلیقے سے سجایا ہے فردوس حوریں تری مشتاق ہیں "چل اے شاغل"(۱)

۱۳۷۵ھ

جگر مراد آبادی:۔ علی سکندر جگر مراد آبادی ۱۳۸۰ھ ۔ ۱۹۶۰ء میں اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ پروفیسر سید حنیف نقوی صاحب نے ان کی رحلت پر اردو اور فارسی میں دو قطعات لکھے:

شاعر رنگیں بیان وخوش نوا یعنی جگر چل دئے بزم جہاں سے کر کے ترک بود وباش
ہو گیا افسوس صد افسوس رخصت دہر سے کارگاہ فکر وفن کا اک انوکھا بت تراش
چور ہے اس غم سے ہر دل، پارہ پارہ ہے جگر جیسے ضرب سنگ سے ہوں آبگینے پاش پاش
محفل شعر وادب جب بھی سجائی جائے گی ہوگی ہر پروانے کو اس شمع محفل کی تلاش

مظہر تاریخ رحلت ہے یہ مصرع اے حنیف
"واقعہ مرگ جگر کا سانحہ ہے دلخراش"(۲)

۱۹۶۰ء

فارسی قطعہ کا صرف حامل تاریخ شعر درج کیا جاتا ہے:۔

گفت تاریخ وفا تش کسے از غیب بہ گوشم
"جگر از بندِ جہاں عازم فردوس بریں شد"(۳)

۱۳۸۰ھ

نوح ناروی:۔ رحلت ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء۔ قطعۂ وفات از قمر سنبھلی صاحب:۔

نوح تھے کامیاب تغزل ڈھل گیا اُف شباب تغزل
ہے قمر بس یہ تاریخ رحلت

(۱) سہ ماہی اردو ادب، نئی دہلی شمارہ ۲، ۱۹۸۰ء ص ۴۹ (۲ و ۳) مکتوب ڈاکٹر حنیف نقوی بنام راقم مورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۴ء

"چھپ گیا آفتاب تغزل"(۱)

۱۹۶۲ء

شاد :۔ نریش کمار نام شاد تخلص شاگرد جوش ملسیانی (لبھو رام) ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ ۱۹۶۹ء میں عالم شباب میں انتقال ہوا۔ جناب کالیداس گپتا رضا محقق عظیم و ماہر غالبیات نے قطعہ کہا جو شاد کی شخصیت کا آئینہ دار ہے:۔

آج کیسا یہ سانحہ گزرا　　آج لوح و قلم ہوئے برباد
کس کو معلوم تھا نریش کی ہے　　کل بیالیس سال کی میعاد
اس کی محرومیوں نے کھینچ لیا　　اس کو آخر سوئے عدم آباد
لے ہی ڈوبی اسے بلا نوشی　　داد محفل کی بن گئی بیداد
شوخ طبعی نے پھیر لیں آنکھیں　　ہوگیا شعر مائل فریاد
اے رضا ! دور بیٹھے کیا کیجئے　　سال رحلت ہی اس کی اب ہے یاد
"دل تیرہ" کے ساتھ کہہ دیجے　　"شاد آفاق سے اٹھا ناشاد(۲)"

۱۹۶۹ء

شکیل :۔ شکیل احمد شکیل بدایونی، وفات اپریل ۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ۔ قطعہ وفات محمد ابرار علی صدیقی بدایونی نے کہا:۔

بشر فسردہ طبیعت ز انتقال شکیل　　ملال خاطر ناشاد راہیاں چہ کنم
ز جستجوئے تشکر بگفت ہاتف غیب　　غم شکیل تاریخ گشت "شکل غم"(۳)

۱۳۹۰ھ

لالہ جگن ناتھ کمال کرتارپوری :۔ وفات ۱۹۷۲ء شاگرد ہیں جوش ملسیانی کے رضا صاحب نے تاریخ کہی:۔

کمال صاحب فن اٹھ گیا، کہو تاریخ　　رضا سے لوگ مسلسل سوال کرتے ہیں

(۱) مکتوب قمر سنبھلی صاحب بنام راقم مرقومہ ۱۹ر جنوری ۱۹۹۱ء۔ (۲) مکتوب کالیداس گپتا رضا بنام راقم موصولہ ۲۴ر جنوری ۱۹۹۷ء ص ۷ (۳) تاریخ گویان بدایوں ص ۳۰۔

"یہ سخت سانحہ ہے، پھر بھی دود ماغ پہ زور "کسی طرح سے سخنور خیال کرتے ہیں"
غزل نظر میں تھی میرے، یہ جوشؔ صاحب کی "خیال کرتے ہیں"۔ "اظہار حال کرتے ہیں"
سر "عروض" نے کٹ کر کہا، یہ لو مصرع
"یہ کشتگان محبت کمال کرتے ہیں"(۱)

۱۹۷۲ء

شمیم کرہانی:۔ وفات ۱۹۷۵ء۔ قطعہ وفات بزرگ محترم پروفیسر مغیث الدین فریدی صاحب نے کہا:۔

لٹ گئی ہے بساط بزم غزل نہ سخن ہے نہ اب سخن دانی
ہوگئی دفن ساتھ شاعر کے فکر و فن کی بہار سامانی
بن کے تاریخ دل میں ڈوب گیا
"غم و رنج شمیم کرہانی(۲)"

۱۹۷۵ء

جوشؔ:۔ نام لبھو رام، ولادت یکم فروری ۱۸۸۳ء، تلمیذ داغؔ، وفات ۲۷ر جنوری ۱۹۷۶ء۔ جوشؔ کے شاگرد رشید جناب کالی داس گپتا رضا نے وفات جوش پر کئی قطعات لکھے۔ دو ایک قطعات درج ذیل سطروں میں پیش ہیں، ان میں ایک خالی ہے۔ جوشؔ ملسیانی کی ایک غزل کا شعر ہے:۔

شوق کا معیار کس سے پوچھیے طور کا شعلہ بھی اب خاموش ہے

رضاؔ صاحب نے مصرع ثانی کے عدد گنے تو ۱۶۲۳ ہوئے چنانچہ "سیل رنج" (۳۵۳) کے تعمیے کے ساتھ قطعہ تاریخ کہا:۔

دے گیا داغ آخری شاگرد داغؔ اب سخن دانی کفن بردوش ہے
بوئے گل بے پر ہے مرگ جوشؔ پر زلف عنبر بار، بار دوش ہے

(۱) مکتوب رضاؔ علیہ ان گپتا بنام راقم مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۸ (۲) مکتوب گرامی محترم پروفیسر ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب بنام راقم فرمانا مورخہ ۲۳ر ۱۲؍ ۹۶ء

بے حواسی کے ہیں عالم میں ادیب   ہوش میں اب کون اہل ہوش ہے
مصرع استاد ہو تاریخ غم   تو بھی شاگرد جناب جوشؔ ہے
لکھ دے "سیل رنج" کے ساتھ اے رضاؔ
"طور کا شعلہ بھی اب خاموش ہے" (۱)

۱۹۷۶ء

دوسرا قطعہ داغؔ کے ایک شعر کے آخری دو الفاظ "تلاش مضمون" کی رعایت سے کہا ہے:۔

دے گئے داغِ الم داغؔ کے شاگرد رشید   جوش کے بعد ہے اب جوش سخن محض جنوں
بسکہ رہتی تھی انہیں بت نئے مضموں کی تلاش
سال رحلت کا ہوا۔ "جوش تلاش مضموں" (۲)

۱۹۷۶ء

پروفیسر رشید احمد صدیقی:۔ وفات ۱۹۷۷ء۔ قطعہ تاریخ از ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب

دل ظرافت کا سوگوار ہے آج   طنز کی آنکھ اشکبار ہے آج
اٹھ گیا ناقد حیات وادب   قلب اردو کا داغدار ہے آج
گل فشاں تھے جہاں رشید احمد   رخصت اس باغ سے بہار ہے آج
قدر تہذیب ان کے دم سے تھی   روح تہذیب بے قرار ہے آج
جس زباں میں وہ بات کرتے تھے   اس زباں کا جگر فگار ہے آج
دفن ہوتا ہے آج طنز ومزاح   بذلہ سنجی تہہ مزار ہے آج
نکتہ دانی کا آج ماتم ہے   ذوق تنقید اشک بار ہے آج
کان میں گونجتی ہے ان کی صدا   دامن ہوش تار تار ہے آج
"آہ" کے ساتھ لب پہ ہے تاریخ   "رحلت فخر روزگار ہے آج" (۳)

۱۹۷۱+۶=۱۹۷۷ء

یہ مرثیہ پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم کی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے اور رنائی

(۱) مکتوب رضا ص ۳ (۲) حوالۂ سابق ص ۳ (۳) ماہنامہ آج کل نئی دہلی مارچ ۱۹۷۷ء ص ۲۰

ادب میں اس کا ایک امتیازی مقام ہے۔اس مرثیہ کے دو عنوان ہیں۔ ”تاریخ وفات درد ناک“(۱۹۷۷ء)اور”رحلت پروفیسر رشید احمد صدیقی“(۱۹۷۷ء)

__شرقی:__۔ امیر الاسلام شرقی نے ۵رجون ۱۹۷۹ء کو انتقال کیا۔ سید محمد حسن رضا دائروی نے اس سانحہ پر بڑا اچھا قطعہ کہا:۔

ہے سانحہ یہ کیسا بتائیں اہل فن　　　　سرگشتہ خمار مذاق کہن کی موت

دست دعا اٹھاتے ہی آئی ندائے غیب

”شرقی کی موت یہ نہیں ہے علم و فن کی موت(۱)“

۱۹۷۹ء

__حفیظ:__۔ خان بہادر ابوالاثر حفیظ جالندھری کا ارتحال ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ دیگر قطعات کے علاوہ صرف شمیم امروہوی کا قطعہ نذر قارئین ہے:۔

ہے آج شاہنامہ اسلام غمزدہ　　　　تلقین صبر کیجئے ،ڈھارس بندھایئے

مرگ ابوالاثر پہ یہ ہاتف نے دی صدا　　　　”جادو بیاں حفیظ کی میت اٹھایئے“(۲)

۱۹۸۲ء

__احسان دانش:__۔ شاعر مزدور احسان دانش کی وفات(۱۴۰۲ھ ر ۱۹۸۲ء) پر شمیم امروہوی نے قطعہ وفات بنیادی طور پر صنعت توشیح میں قطعہ کہا، لیکن آخری بیت میں تدخلے کے ساتھ صنعت ضرب کا اضافہ بھی کر دیا ہے، جو اس فن پر شمیم صاحب کی دسترس کی دلیل ہے:۔

(۳۰۰)　شاعر مزدور کا سال وفات　(۴۰۰)

(۵)　ہو بصد رنج و محن اب آشکار　(۲۰۰)

(۱۰۰۰)　غیب سے ہاتف پکارا خاص کر　(۲۰۰)

(۹۰)　صاف ہے تاریخ مرگ اے سوگوار　(۲۰۰)

(۱)　آئی پھر یہ کان میں اپنے صدا　(۱)

(۴)　بے سبب ہے مضطرب اور بے قرار　(۲۰۰)

(۱) سہ ماہی اردو ادب نئی دہلی ۱۹۸۰ء شمارہ ۲ ص ۸۹ (۲) انیس سو بیاسی از شمیم امروہوی مطبوعہ ۱۹۸۳ء ص ۱۰۷۔

(۱)	"اف سر افسوس سے آ کر ملا	(۱)
(۱۳)	جب کہا "احسان دانش" چار بار (۱)	(۲۰۰)
۱۴۰۲ھ	(۷۵×۴×۴=۱۹۰۰+۸۲=۱۹۸۲ء	۱۴۰۲ھ

خدیجہ مستور: ـ مشہور افسانہ نویس و ناول نگار محترمہ خدیجہ مستور کی شخصیت اردو داں طبقے کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا انتقال ۲۶ جولائی ۱۹۸۲ء ۴ر شوال ۱۴۰۲ھ کو لندن میں ہوا۔ میت لاہور لاکر دفن کی گئی۔ مزار کے باہر کی جانب یہ قطعہ درج ہے (دوسری عبارت کے بعد)

قصرِ خلد آنکھوں میں، پھر بھی لب پہ قدرِ آفاق کی ‫ ‫ مرتے دم تک یہ بصیرت وجہ حیرت ہے بہت
بجھ رہی تھی شمع ہستی، تب خدیجہ نے کہا: ‫ ‫ "ماہ و انجم کی یہ دنیا خوبصورت ہے بہت (۲)"

۱۹۸۲ء

دوسرا قطعہ یہ ہے:

چمن عشق نبیؐ میں آقا ‫ ‫ اٹھیں نکہات خدیجہ مستور
اسی گلپوش لحد سے ابھرے ‫ ‫ "ماہ درجات خدیجہ مستور" (۳)

۱۹۸۲ء

شمیم امروہوی نے خدیجہ مستور کی رحلت پر درج ذیل خوبصورت قطعہ کہا:۔

افسوس کہ گھیرا ہے جسے آج قضا نے ‫ ‫ لاریب وہ اردو کی تھی سوغات خدیجہ
ہاتف نے صدا دی یہ لکھو موت پہ اس کی ‫ ‫ "مستور ہوئی آنکھوں سے ہیہات خدیجہ (۴)

۱۹۸۲

فراق: ـ رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری۔ انتقال ۱۹۸۲ء قطعہ تاریخ قمر سنبھلی:۔

جوش کا غم ہی کم نہ تھا آہ اٹھا فراق بھی ‫ ‫ اہل سخن تڑپ اٹھے، سوگ فضا پہ چھا گیا
سال وفات کے لئے فکر، قمر جو آج کی ‫ ‫ آئی صدا یہ دفعتاً: "فخر غزل چلا گیا (۵)

۱۹۸۲ء

جوش و فراق: ـ شاعر انقلاب شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کی ولادت ۵ر دسمبر ۱۸۸۸ء

(۱) حوالہ حریور ص ۲۶ (۲ و ۳) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ماہ اکتوبر ۱۹۸۲ء ص ۳۰۳ (۴) ایضاً ص ۳۰۲ (۵) مکتوب قمر سنبھلی مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۹۱ء

اور وفات ۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء کو ہوئی نیز شاعر جمال رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری ۲۸ر اگست ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے اور ۳ر مارچ ۱۹۸۲ء کو انتقال کیا۔ گویا دونوں کا انتقال دس دن آگے پیچھے ہوا۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے صنعت اتفاقی میں دونوں کا بہترین تاریخی مرثیہ کہا:۔

تاریک کیوں ہے محفل ارباب علم و فن   یہ کیا ہوا کہ اہل قلم چشم نم ہوئے
کیسی ہوا چلی کہ لگی بجھنے شمع دل   قلب و جگر سے پار کئی تیر غم ہوئے
اردو! ترا نصیب کہ بیٹوں کے سر ترے   تیغ اجل سے یونہی برابر قلم ہوئے
گردش ہے روز و شب کی مگر ضامن حیات   بے جان شام، صبح کو پھر تازہ دم ہوئے
آنے نہ دیں گے ہم تری مقبولیت میں فرق   اس راہ میں اگرچہ بہت پیچ و خم ہوئے
یہ شاعر و ادیب ترے جاں نثار ہیں   ان سے ہی تیری شان کے اونچے علم ہوئے
وہ جوش، انقلاب کا شاعر وہ ذی وقار   انداز جس کے رشک شہان عجم ہوئے
رومان و کیف عشق میں ڈوبا ہوا فراق   جس پر شباب و شوق کے صدہا ستم ہوئے
آنچل میں تیرے ٹانک کے درہائے شاہوار   موج فنائے ہستی عالم میں ضم ہوئے
دس روز آگے پیچھے ہوا دونوں کا وصال   بچھڑے ہوئے تھے کب کے وہ آخر بہم ہوئے(۱)

مصرع سے برق مل گئی تاریخ کی "کلید"
"جوش اور فراق راہی ملک عدم ہوئے(۲)"

۶۴ + ۱۳۳۸ = ۱۴۰۲ھ

شمیم امروہوی نے بھی دونوں شاعروں کا سال وفات ایک ہی قطعہ میں برآمد کیا۔ جس کا پہلا اور آخری شعر درج ہے:۔

جلوۂ یک رنگ تھا چہرۂ جوش و فراق   اس کا ادھر بانکپن، اس کا ادھر طمطراق
مصرع تاریخ مرگ دونوں کا واحد ہوا
"جوش کے دسویں کے دن یوم فراق الفراق(۳)"

۱۴۰۲ھ

(۱) اشارہ ہے جوش کے پاکستان منتقل ہونے کی طرف۔ (۲) ماہنامہ "آج کل" نئی دہلی اپریل ۱۹۸۲ء ص ۱۱ (۳) انفس سرمایاں ص ۹۱ و ۹۲